اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

(۲)

ڈاکٹر ابراہیم الشریقی

ترجمہ : خلیل حامدی

برطانوی اقتدار کے دور میں عربوں کی مجاہدانہ کوشش | اس مرحلہ میں صہیونی سیلاب کو روکنے کے لیے عربوں کی طرف سے غیر معمولی مخالفت کی گئی۔ انہوں نے ظالمانہ استعماری سیاست کا بھرپور مقابلہ کیا اور صہیونی منصوبوں کا سامنا کیا۔ اس دور میں عربوں کی تحریکِ مقاومت ایمان اور جہادِ اسلامی کی رُوح سے لبریز تھی اور الحاج امین الحسینی مفتیِ اعظم فلسطین کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس مرحلے میں عربوں کی طرف سے تین مرتبہ انقلابی کوششیں عمل میں آئیں۔ ایک ۱۹۲۰ء میں دوسری ۱۹۲۹ء میں اور تیسری جو فلسطین کی "بغاوتِ عُظمیٰ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۱۹۳۶ء میں۔

برطانیہ کا قرطاسِ ابیض | یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ میونخ کانفرنس کے بعد، جو ۱۹۳۸ء میں عالمی امن کی بحالی کی خاطر ہٹلر کے ساتھ اختلافات کو رفع کرنے کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی، برطانیہ اور فرانس دونوں نے مل جُل کر مشرقِ اوسط سے متعلق نیا منصوبہ وضع کیا اور اپنی سابقہ پالیسی کے اندر بنیادی تبدیلیاں طے کیں۔ ان نئی تبدیلیوں کی وجہ دو بنیادی امور تھے :

اوّلاً : برطانیہ اور فرانس کے سربراہوں (چیمبرلین اور ڈالاڈیے) کو یقین ہو گیا کہ ہٹلر کسی حد پر رُکنے والا نہیں ہے، اور دوسری جنگ لامحالہ چھڑ کر رہے گی۔

ثانیاً : دونوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مشرقِ عربی کی شورشیں اور اضطرابات اُس وقت تک اطمینان بخش حالات میں تبدیل نہیں ہو سکتیں جب تک عرب اقوام کی خواہشات کے تحت اِن حالات کی اصلاح نہیں کی جاتی۔

چنانچہ حکومت برطانیہ نے اس فیصلے کے بعد بلا تاخیر ۱۹۳۹ء میں قرطاسِ ابیض شائع کر دیا اور فلسطین کے بارے میں اپنی نئی سیاست کی یہ بنیادیں وضع کیں :

۱- برطانیہ اس اصول کو تسلیم کرتا ہے کہ دس سال کے اندر اندر "فلسطینی ریاست" قائم کی جائے۔

۲- عوامی انتخاب کی بنیاد پر ایک مجلسِ قانون ساز کی تشکیل کی جائے گی۔

۳- مخصوص علاقوں کے اندر یہودیوں کے ہاتھ زمینوں کی فروخت ممنوع ہو گی۔ یہ علاقے فلسطین کے مختلف حصوں میں نشان زدہ کر دیئے گئے ہیں۔

۴- یہودی ہجرت کی تحدید (یعنی فلسطین میں داخل ہونے والے یہودی مہاجروں کی سالانہ تعداد معین کر دی جائے گی)۔

قرطاسِ ابیض کی منسوخی | عربوں نے ابتداءً اس قرطاس ابیض کی اسکیم کو قبول کرنا چاہا، مگر حکومتِ برطانیہ نے اس کے نفاذ کو حالات کی مناسبت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ چنانچہ اس شرط نے اور "یہودی ہجرت کی تحدید" کے فقرے نے عربوں کی نگاہ میں برطانوی حکام کی نیتوں اور جدید برطانوی سیاست کو مشکوک کر دیا۔ آخر کار عربوں نے پہلے قرطاس ابیض کو مسترد کر دینے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کو تسلیم کر کے اس کی تنفیذ کا مطالبہ کیا۔ یہودی حلقوں کے اندر قرطاسِ ابیض سے کھلبلی مچ گئی۔ لیکن ان کی یہ کھلبلی بہت جلد اطمینان میں تبدیل ہو گئی جب انہیں یہ خوشخبری ملی کہ قرطاسِ ابیض ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا ہے[1]۔

اِس پوری تاریخ کے بطن میں کچھ ایسے حقائق موجود ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں اور جنہیں ایسے خفیہ ہاتھ نے مستور کر رکھا ہے جس کے پیچھے ایک ایسی چھڑی کام کر رہی ہے جو حالات سے ہر وقت ناجائز استفادہ کرتی رہی ہے اور انہیں اپنی منشا کے مطابق ڈھالتی رہی ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ذرا پس پردہ جھانک کر دیکھنا چاہیے۔

روس کی صدارتی کونسل میں یہودی اثرات | آج ہم جن واقعات سے دوچار ہیں ان کا سلسلہ ماضی کے واقعات و حالات سے مربوط ہے، لہٰذا ہمیں جمعیتِ اقوام کے گزشتہ ریکارڈ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہی ریکارڈ قضیہ فلسطین کی تاریخ کے دوسرے اور تیسرے باب کو مکمل کرتا ہے۔ اس کا پہلا باب اُن بین الاقوامی سازشوں پر مشتمل ہے

[1] ملاحظہ ہو حاییم وائس مین کی ڈائری (لندن اور یہودی ایجنسی کی خفیہ مراسلت)۔

جن کے ہیرو صہیونی سرمایہ دار اور وہ یہودی کمیونسٹ اور انقلاب پسند تھے جنہوں نے روس کے اندر کمیونسٹ اسٹیٹ کی تاسیس کی۔ اُمید ہے کہ یہ حقیقت اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہو گی کہ لینن کے عہد میں صداقتی مجلس کی اکثریت یہودی ممبروں پر مشتمل تھی۔ اسٹالن کے دور میں خود اسٹالن اور مولوٹوف اور فوروشیلوف کے ماسوا اس مجلس کے باقی تمام ارکان یہودی تھے۔ خروشچیف سے لے کر کوسیجن کے حالیہ عہد تک مجلس کے نصف ارکان یا تو خالصتہً یہودی ہیں یا یہودی الاصل ہیں۔ بلکہ مشرقی یورپ کے جن ممالک میں اشتراکی نظام قائم کیا گیا ہے وہاں کی مشاورتی کونسلوں اور انتظامی مجالس کے اندر یہودی اشتراکیوں کا غلبہ ہے۔ رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، ہنگری، پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کے اندر یہودیوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو کلیدی اسامیوں پر قابض ہے۔

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کی تاسیس سے پہلے کے مرحلے میں جو بات زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں فلسطین برطانوی انتداب کے تحت تھا، اور یہودی مار دھاڑ کر کے اسے اپنے قبضے میں لانے کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت انہوں نے باقاعدہ فوجی یونٹ بنا لیے تھے۔ ان یونٹوں میں اکثریت جن یہودیوں کی تھی وہ روس، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور پولینڈ کے مہاجر تھے جو فلسطین میں آباد کیے گئے تھے اور بیشتر تعداد اُن لوگوں کی بھی تھی جو اُس یہودی بٹالین میں رہ چکے تھے جس نے برطانوی فوج کے دوش بدوش العالمین اور صحرائے لیبیا کی جنگ میں جرمن اور اطالوی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی یہودی بٹالین کے افسروں میں سے ایک موشے دایان اور دوسرا اسحاق رابین تھا۔ اول الذکر آج اسرائیل کا وزیرِ جنگ ہے اور ثانی الذکر اسرائیلی افواج کا کمانڈر انچیف۔

کمیونسٹ ممالک نے اسرائیل کو اسلحہ فراہم کیا اُس وقت یہودیوں کو اسلحہ کی سپلائی زیادہ تر مشرقی یورپ سے ہو رہی تھی، اور خاص طور پر چیکوسلواکیہ سے جس کے لیے خود اسٹالین نے منظوری دی تھی۔ کچھ اسلحہ اُس سرمایہ سے حاصل کیا گیا تھا جو امریکہ اور یورپ کی صہیونی تنظیمیں فراہم کر رہی تھیں۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں یہودیوں اور عربوں کی جو جنگ ہوئی اُس میں یہودیوں نے وہ اسلحہ استعمال کیا تھا جو انہیں زیادہ تر مشرقی یورپ کے اُن ممالک سے ملا تھا جن پر کمیونسٹوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد غلبہ پا لیا تھا۔ ماسکو کے حکم سے یہودی مشن کو، جو موشے شاریت کی قیادت میں حصولِ اسلحہ کے لیے گیا ہوا تھا، یہ اجازت

دی گئی کہ وہ رومانیہ اور یوگوسلاویہ کے بحری جہازوں پر اپنی ضرورت کا جنگی سامان لاد کر حیفا کی بندرگاہ تک پہنچائیں۔ یورپ کے سرکاری بیانات اور بین الاقوامی ایجنسیوں کے حوالوں کی روشنی میں اسلحہ کی یہ کھیپیں مشرقی یورپ سے ذیل کی تعداد میں یہودی مشن کو فراہم کی گئیں:

چیکوسلواکیہ کے ہوائی جہاز	۲۴
مختلف النوع ٹینک	۱۲۵
بکتر بند گاڑیاں	۴۰۰
بھاری توپیں	۷۰
مختلف النوع توپیں	۳۵۰
رائفلیں اور اسٹین گن	۱۰۰۰۰
دستی بم	۱۵۰ ٹن
بارود	۳۰۰۰ ٹن
بار برداری کی گاڑیاں	۱۰۰۰

اس کے علاوہ وہ اسلحہ بھی یہودیوں کے پاس تھا جو انہوں نے فلسطین میں برطانوی فوج کے گوداموں سے لوٹا تھا۔ اور وہ اسلحہ بھی شامل تھا جو مغربی یورپ میں اتحادی فوجوں کے ذخائر سے انہوں نے حاصل کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کمیونسٹ ممالک اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتے اور بھاری اسلحہ اور ہوائی جہازوں سے اُسے کمک نہ پہنچاتے تو اس جنگ کے دوسرے مرحلے (جولائی ۱۹۴۸ء) میں یہودی اُن دُور دراز علاقوں میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے جو تقسیم کی قرارداد میں شامل نہیں تھے ۔ مثلاً صحرائے نقب، یافہ اور گلیل کا مغربی حصہ وغیرہ۔ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ اُس سازش کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو جنگ بندی کے نام سے جون ۱۹۴۸ء میں یو این او کے اندر عربوں پر ٹھونسی گئی۔

یالٹا کانفرنس اور مسئلہ فلسطین اب تھوڑی دیر کے لیے ذرا ۱۹۴۵ء کی طرف لوٹیں اور یالٹا کانفرنس کے ریکارڈ پر طائرانہ نگاہ ڈالیں

جس میں نازی ازم کا قلع قمع کرنے، جرمنی کو اتحادیوں کے مقبوضات میں تقسیم کرنے، جاپانی امپیریلزم کی بساط الٹنے اور مشرقی یورپ کے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ خفیہ مذاکرات، جو تین سربراہوں (چرچل، روزویلیٹ اور اسٹالن) کے مابین ہوئے، ان کی رُوداد پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثانوی درجے کے جن موضوعات پر گفت و شنید ہوئی تھی اُن میں سے ایک پولینڈ کا موضوع تھا اور دوسرا وہ مراسلہ تھا جو صہیونی لیڈروں کی ایک کمیٹی نے اس کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ اس مراسلے میں صہیونیوں نے یہ مطالبہ کیا تھا:

۱- جرمنی پر مالی تاوان عائد کیا جائے (اس مالی تاوان کی مقدار ۵ ارب ڈالر تجویز کی گئی)- اور یہ تاوان اُن یہودیوں میں تقسیم کیا جائے جنہیں شدید نقصانات پہنچے ہیں، خواہ وہ جو اس وقت یورپ میں موجود ہیں، اور خواہ وہ جو امریکہ اور فلسطین چلے گئے ہیں۔

۲- فلسطین کی طرف یہودیوں کی ہجرت پر تمام پابندیاں اٹھادی جائیں۔

۳- یہودیوں کو اپنا مخصوص سیاسی وجود تشکیل دینے کے لیے ہر طرح کی امداد دی جائے۔

صدر روزویلیٹ کے ایک قریبی سیاستدان جان سوریل کا بیان ہے کہ اس وقت اسٹالن اپنے برطانوی اور امریکی رفقاء کی نسبت یہودیوں کے معاملے میں زیادہ جذبات ہمدردی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ وہ مظلوم قوم ہے جس کے ۳۰ لاکھ افراد مشرقی یورپ میں اور ۱½ لاکھ افراد مغربی یورپ میں جرمن گسٹاپو کی تیغ ستم کا شکار ہوئے ہیں۔ جان سوریل اپنی کتاب "یالٹا سے پوٹسڈم تک" میں (جو سان فرانسسکو میں ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے) لکھتا ہے:

"سوویت یونین کے سربراہ اسٹالن نے مطالبہ کیا کہ جرمنی پر عائد کردہ تاوان کو دگنا کیا جائے اور یہ یہودیوں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ فلسطین کے اندر اُن ۳۰ لاکھ یہودی مہاجروں کی آبادکاری پر صرف کرسکیں جو سوویت یونین اور مشرقی یورپ سے وہاں ہجرت کرگئے ہیں۔ مگر چرچل نے بڑے لچکدار ڈپلومیٹک اسلوب میں اسٹالن کو جواب دیا، فلسطین کا شاداب علاقہ بہت تنگ ہے، لاکھوں یہودیوں کی اس میں گنجائش نہیں ہے، یہودیوں کی ہجرت پر سے

پابندی اٹھا لینے کے بعد عرب ممالک کے اندر ہنگاموں کی لہریں اٹھ کھڑی ہوں گی اور فلسطین جیسے نازک مقام کے معاملے میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز کشمکش کا آغاز ہو جائے گا۔ یہ تمام نہایت پیچیدہ مشکلات ہیں، برطانیہ بین الاقوامی تعاون کے بغیر تنہا ان مشکلات کو حل نہیں کر سکتا۔ اسٹالن یہ جواب سُن کر مسکرا دیا اور کہنے لگا، مشرق کی اقلیتوں کی مشکلات صرف اس صورت میں حل ہو سکتی ہیں کہ اشتراکی نظام کو وہاں رائج کیا جائے۔ یہ نظام قومی تحریکوں کو ختم کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم نے اسی نظام کی بدولت اُن تمام قومی تحریکوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے جو سوویت یونین کے اندر پائی جاتی تھیں۔ اس طرح ہم نے سوویت یونین کو تمام مصائب و مشکلات سے آزاد کروا دیا ہے۔ روزویلٹ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا، ہماری معلومات کے مطابق اشتراکی نظام کے اصول و مبادی یورپ کے یہودی فلاسفروں نے وضع کیے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہ نظام یہودیوں کی منتشر اور پراگندہ قوم کی مشکل کا حل فراہم نہ کر سکا۔ میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک بین الاقوامی کمیٹی بنائی جائے جو فلسطین کے عمومی حالات کا مطالعہ کرے اور عربوں اور یہودیوں کے مسائل سمجھ کر ان کے لیے پُرامن حل تجویز کرے۔"

یالٹا کانفرنس میں اسٹالن نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ مشرقی اور عربی ممالک کے اُن تمام زعماء کو بلیک لسٹ میں درج کیا جائے جنہوں نے جرمنی کے نازی حکام کے ساتھ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ بلکہ اُن مصنفین اور ارباب صحافت کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا جائے جنہوں نے ہٹلر کے عہد میں نازی ازم کا پروپیگنڈا کرنے میں حصّہ لیا ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ نازی حکام سے تعاون کرنے والوں کو سزا دینے کا معاملہ اُس حکومت پر چھوڑ دیا جائے جس کے دائرہ اختیار میں ایسے لوگ پائے جاتے ہوں۔ تین بڑوں نے یہ بھی بالاتفاق طے کیا کہ ایک اعلیٰ ٹربیونل قائم کیا جائے جس میں نازی لیڈروں پر مقدمات چلائے جائیں اور اُن میں سے ہر ایک کو خواہ وہ سول کا آدمی ہو یا فوج کا جنگی مجرم قرار دیا جائے۔ اسی فیصلے کی رو سے جنگ کے بعد نورنبرگ کی مشہور عدالت قائم کی گئی تھی۔[1]

[1] نورمبرگ کی عدالت کا ریکارڈ بابت ۱۹۴۵ و ۱۹۴۶ء

یوگوسلاویہ کی طرف سے مفتی فلسطین کو سزائے موت دینے کا مطالبہ | یہ بات بھی کبھی فراموش نہ ہونی چاہیے، کہ یوگوسلاویہ کی کیمونسٹ حکومت اور صہیونی تنظیموں نے مل کر نورنبرگ کی اتحادی عدالت کو یہ باور کرانے میں پورا پورا زور صرف کیا کہ الحاج امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین کے خلاف جو جھوٹے الزامات عائد کیے گئے تھے، وہ بالکل درست ہیں۔ یوگوسلاویہ اور صہیونیوں کی طرف سے الحاج امین الحسینی کے خلاف جو دو میمورنڈم کمیٹی کے سامنے پیش کیے گئے اُن میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مفتی صاحب نے نازی حکّام کو برانگیختہ کیا تھا کہ یہودیوں کو بالکل فنا کر دیا جائے۔ اسی طرح مفتی صاحب نے بوسنہ کے مسلمانوں پر مشتمل عسکری دستے مرتب کیے تھے اور انہیں نازی فوجوں میں شامل کر دیا تھا تاکہ وہ یوگوسلاویہ کے انقلابیوں کے خلاف نازی فوجوں کے دوش بدوش لڑیں۔ صہیونی تنظیموں کا اس مطالبے سے مقصد یہ تھا کہ اُس نامور عرب لیڈر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے جس نے فلسطین کو صہیونی تحریک کی مقاومت کا مرکز بنا رکھا تھا۔

رُوس کی امداد کے لیے صہیونیوں کا منصوبہ | جنگ کے متصلاً بعد امریکہ کے یہودی ماہرین سوویت یونین کے لیے مفادات حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے۔ چنانچہ ان کی مساعی سے سوویت یونین نے واشنگٹن سے بھاری بھرکم امداد حاصل کر لی جس کی مجموعی مقدار نقد کی صورت میں ایک ارب ڈالر اور غذائی مواد، ادویہ، کیمیاوی مواد، زرعی آلات اور مشینری کی شکل میں تین ارب ڈالر تھی۔ صہیونی تحریک کا منصوبہ یہ تھا کہ سوویت یونین کو اپنے ملک میں جدید ترین بھاری صنعتوں کے قیام و فروغ کے لیے حکومت امریکہ کے خزانے اور مالی اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے سرمایہ فراہم کیا جائے۔ مگر واشنگٹن کو اس منصوبہ کے اسرار اور اس کے خطرات کا پتہ چل گیا۔ اس سارے منصوبے کی تہ میں جو ارادے کام کر رہے تھے وہ یہ تھے کہ صہیونی تحریک ماسکو کا اعتماد حاصل کرے اور فلسطین کے اندر اپنی سازش کو کامیاب کرنے کے لیے ماسکو کو ضروری قوت فراہم کرے[1]۔

فلسطین کے مسئلہ پر سلطان عبدالعزیز کی روز ویلٹ سے گفتگو | یالٹا کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے جان سویل اپنی کتاب کے پانچویں باب میں لکھتا ہے:

[1] ملاحظہ ہو روز ویلٹ کے عہد میں امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر سٹاٹینیوس کی ڈائری۔ یہ منصوبہ امریکہ کے وزیر خزانہ مورگنتھاؤ نے پیش کیا تھا جو صہیونی تحریک کا زبردست حامی سمجھا جاتا تھا۔

" ۱۶ فروری ۱۹۴۵ء کو جب صدر روزویلٹ کانفرنس سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو اُس نے راستے میں کوئین نامی جہاز کے اندر اپنے دوست چرچل کے ہمراہ جزیرۃ العرب کے حکمران سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی۔ سلطان کے ساتھ متعدد اقتصادی اور سیاسی موضوعات پر بات چیت ہوئی۔ مسئلہ فلسطین اور یہودیوں کی لگاتار ہجرت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ مذاکرات کے آغاز میں تو سلطان عبدالعزیز بڑی خندہ پیشانی سے گفتگو میں حصہ لیتے رہے۔ مگر جب روزویلٹ نے یہودیوں کا موضوع چھیڑا تو فوراً سلطان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور وہ کہنے لگے:

ہر چیز پر غور و خوض کیا جا سکتا ہے۔ اور ہر وہ بات جو آپ کی قوم اور ہماری قوم کے لیے صحیح اور مفید ہو سکتی ہے قبول کی جا سکتی ہے۔ مگر یہودیوں کی ہجرت کا مسئلہ ایسا ہے کہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ ہجرت بے روک ٹوک جاری رہے۔ یہ ہجرت اگر یوں ہی جاری رہی تو اس سے کئی مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ اور عرب اور مغرب کے تعلقات مکدر ہو سکتے ہیں۔ فلسطین عربوں کے لیے انتہائی عزیز اور گراں بہا متاع ہے۔ اس کے کسی معمولی سے حصے کے بارے میں بھی کسی قیمت پر سودے بازی نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ یہ عرب علاقہ پُر امن اور صہیونیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے۔"

صدر روزویلٹ عرب فرمانروا کی صاف گوئی سے بڑے خوش ہوئے۔ سلطان کے اس بیان کو پرائیویٹ سکرٹری نے قلمبند کر لیا اور اگلی صبح کو مسٹر چرچل کو بھی اس بیان سے مطلع کر دیا گیا۔

اسی کتاب کے پانچویں باب میں صفحہ ۲۶۴ پر مسٹر جان سوریل رقمطراز ہے: چرچل نے سلطان عبدالعزیز کے بارے میں اپنے دوست روزویلٹ کے تاثرات دریافت کیے۔ روزویلٹ نے کہا "مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ شخص بڑا راست باز ہے، جری ہے، بے لاگ ہے۔ زندگی کی کوئی کشش اُس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اُس کی گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا اجتماع مشرق کے امن کو بھسم کر دے گا۔ اور عرب ہر ممکن ذریعہ سے یہودیوں کی مقاومت کریں گے۔ یہ بات انتہائی خطرناک ہے۔ ہمیں عربوں سے اپنے تعلقات کو محفوظ رکھنے اور مشترک مفادات کے تحفظ کے لیے اس خطرے کا لازماً تدارک کرنا چاہیے۔"

مگر قبل اس کے کہ جرمنی بلا قید و شرط ہتھیار ڈالتا، اور جرمنی کا نازی ازم اپنی موت آپ مرتا، روزویلٹ ۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو دنیا سے کوچ کر گیا، اور ٹرومین اُس کا جانشین ہوا جو یہود نوازی میں مشہور تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کی کامیابی کے لیے اس نے امریکہ کے ۵۰ لاکھ یہودیوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لالچ میں یہودیوں کی ہر طرح سے پشت پناہی کی اور امریکہ کو بین الاقوامی بددیانتی کی اس راہ پر ڈال دیا جس پر وہ آج تک آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ میں | اپریل ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوامِ متحدہ کی میز پر رکھ دیا تاکہ اس مسئلے کے بارے میں جو قرارداد بھی پاس ہو اُس کی ذمہ داری تنہا برطانیہ پر نہ ہو بلکہ بین الاقوامی تنظیم کے سر منڈھ دی جائے۔ اُس نے یہ اقدام اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ عربوں کی کوئی خدمت کرنا چاہتا تھا بلکہ صرف اس لیے کیا تھا کہ اس طرح سے وہ ہر اُس فیصلے کی ذمہ داری سے بری ہو سکتا ہے جو آئندہ عربوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

اقوامِ متحدہ میں جب یہ مسئلہ پہنچا تو مغرب اور مشرق کے دونوں کیمپوں کے درمیان سودے بازی نے بڑی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک ہی شرمناک سازش تھی جس کا خمیازہ نہ صرف فلسطینی قوم کو بلکہ پوری عرب دنیا کو بھگتنا پڑا۔ عرب دنیا کے ۹۹ فیصد لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ اس سازش میں امریکہ و برطانیہ اور مغربی ممالک کا کردار کیا تھا، مگر وہ اس بات سے قطعی بے خبر ہیں کہ اقوامِ متحدہ کے اندر عرب سیاستدانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر سوویت یونین اور کمیونسٹ بلاک نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں کیا افسوسناک کردار ادا کیا ہے۔

مَیں پوری صاف گوئی اور وثوق سے کہتا ہوں، اور خود اقوامِ مُتَّحِدہ کی رُودادوں کی بنیاد پر کہتا ہوں، کہ جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوامِ متحدہ کی بساط پر زیرِ بحث آیا ہے اور جب سے اسرائیل کا منحوس وجود عمل میں آیا ہے ماسکو کا رویہ یہودیوں کے حق ہی میں رہا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف رائے رکھتا ہے میری اُس سے درخواست ہے کہ وہ ذرا ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کے تین سالوں کی اقوامِ متحدہ کی فائلوں کی ورق گردانی کرے تاکہ اُسے میرے دعوے کی اصلیت معلوم ہو جائے۔ نیز ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۵ء تک ۱۵ سالوں کے اندر اسرائیل اور وارسا پیکٹ کی کمیونسٹ ریاستوں کے مابین، جن کی قیادت ماسکو کے ہاتھ میں ہے، جو اقتصادی اور ثقافتی اور فنی

معاہدات ہوتے ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈال لے۔ اس کے بعد وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ کمیونسٹ بلاک اسرائیل نواز نہیں ہے۔

عربوں کے خلاف کمیونسٹ بلاک کی کارگزاری اقوامِ متحدہ کی میز پر فلسطین کا مسئلہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۴۷ء میں زیرِ بحث آیا۔ فلسطین کے موضوع پر اقوامِ متحدہ کا یہ ہنگامی اجلاس ۲۸ اپریل سے لے کر ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ عربوں کی اس پہلی سیاسی جنگ میں مشرقی بلاک نے روسی نمائندے کامریڈ گرومیکو (جو آج کل روس کے وزیرِ خارجہ ہیں) کے زیرِ قیادت اپنی ساری طاقت اس بنیادی نقطے پر مرکوز کیے رکھی کہ کسی طرح اقوامِ متحدہ سے فلسطین میں یہودی وجود کی قانونی حیثیت کو تسلیم کروا لیا جائے۔

عرب ممالک کے مندوبین نے اس اجلاس میں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اقوامِ متحدہ سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ فلسطین سے برطانوی انتداب اٹھا دیا جائے اور فلسطین کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ اس مطالبے کے جواب میں روسی نمائندے گرومیکو نے عرب نمائندوں پر تند و تلخ حملہ کیا۔ ۲۹ اپریل کے اجلاس میں اس نے واشگاف الفاظ میں کہا:

"فلسطین میں یہودی قوم اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس قوم کے احساسات کا لحاظ اور اقوامِ متحدہ کے اندر اس کی آواز پر کان دھرنا ضروری ہے۔ اقوامِ متحدہ کو کوئی طاقت اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ کوئی ایسی قرارداد منظور کرے جو عربوں کے مطالبے کی حمایت میں فلسطینی قوم کے استقلال کے اعلان کی تائید کرے۔"

۲ مئی کے اجلاس میں اس نے کہا:

"فلسطین کا جھگڑا بذاتِ خود اور اپنے تاریخی مزاج کی رُو سے یہ لازم ٹھیراتا ہے کہ یہودیوں کو اس جھگڑے کے حل میں شرکت کا حق دیا جائے۔ یہ جھگڑا دراصل یہودی قوم ہی کا مسئلہ ہے۔"

گرومیکو کی تائید کرتے ہوئے چیکوسلواکیہ کے کمیونسٹ نمائندے جان پاپانک نے کہا:

"یہودی قوم کے مطالبات عین حق و انصاف ہیں۔ یہودیوں نے برطانوی انتداب سے طویل مدت پہلے فلسطین کی تعمیر و آبادکاری شروع کر دی تھی۔ فلسطین پر یہودیوں کے حقوق نہ صرف تاریخی طور پر درست ہیں بلکہ قانوناً بھی صحیح ہیں۔"

پولینڈ کے کمیونسٹ نمائندے جوزف وینیوئرز نے اپنی باری آنے پر کہا:

"قضیۂ فلسطین کے بارے میں کسی فیصلہ پر بھی اُس وقت تک غور و خوض نہیں کیا جاسکتا جب تک جنرل اسمبلی کی کارروائیوں میں یہودی ایجنسی کو شرکت کا حق نہ دیا جائے۔ پولینڈ کی حکومت یہودی قوم کے مفادات اور اس کے مستقبل سے پوری دلچسپی رکھتی ہے۔"

پولینڈ کے نمائندے نے امریکہ سے بھی اپیل کی کہ اُسے پولینڈ اور دیگر اشتراکی ممالک کے نقطۂ نظر کی پوری پوری حمایت کرنی چاہیے۔

۳ مئی کے اجلاس میں گرومیکو نے کہا:

"فلسطین کا مسئلہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں ہے، جیسا کہ عرب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں، اور یہودیوں کے جذبات کی رعایت کیے بغیر اقوامِ متحدہ کے اندر اس پر بحث کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ . . . شور و شغب، واویلا اور سرگوشیاں اور اسی نوعیت کے دوسرے ہتھکنڈے جو عرب اس وقت استعمال کر رہے ہیں اُن سے ہمیں بڑا دکھ پہنچا ہے۔ عربوں کو تاریخی اور قانونی پہلو سے امرِ واقعہ کو سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہیے۔"

یوگوسلاویہ اور چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کے مندوبین نے کامریڈ گرومیکو کی ہر پہلو سے حمایت کی اور اُس کے موقف کو ہر لحاظ سے درست اور برحق قرار دیا۔

سعودی عرب، مصر، عراق، شام اور لبنان کے نمائندوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ جس طرح اقوامِ متحدہ میں یہودی ایجنسی کو یہودی قوم کا جائز نمائندہ تسلیم کر لیا گیا ہے اسی طرح فلسطین کی اعلیٰ عرب کمیٹی کو بھی اقوامِ متحدہ کے اندر فلسطینی قوم کے مفادات کے قانونی نمائندے کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے، لیکن عرب نمائندوں کی تمام کوششیں روسی بلاک کی شدید مخالفت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بے سود ثابت ہوئیں۔

سیاسی کمیٹی کا اجلاس (۱۴ مئی ۱۹۴۷ء) ایک ایسی قرارداد پر ختم ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسئلہ فلسطین کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے ایک بین الاقوامی کمیٹی تشکیل کی جائے۔ گرومیکو نے اس اجلاس میں اسٹیج پر چڑھ کر اعلان کیا:

"یہودی قوم جینے کے لیے پیدا ہوئی ہے، اُسی طرح جس طرح دوسری قومیں آزاد زندگی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ یہود مسلسل المیوں اور اکھاڑ پچھاڑ اور تعذیب و تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اب اقوامِ متحدہ کا فرض ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو پورا کرے اور فلسطین میں اُن کے حقوق کو تسلیم کرے۔ فلسطین اس قوم کی تاریخی اور عمیق تہذیب کا گہوارہ ہے۔ عالمی تحقیقاتی کمیٹی کا بھی فرض ہے کہ وہ اس ملک میں یہودی قوم کے حاصل کردہ حقوق اور تاریخی حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھے۔"

قراردادِ تقسیم پر بحث اور اشتراکی بلاک کا رویہ ستمبر ۱۹۴۷ء میں سیاسی کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں تحقیقاتی کمیٹی کی تجویز کردہ قراردادِ تقسیم پر غور و خوض ہوا۔ اس اجلاس میں سوویت بلاک نے قراردادِ تقسیم کے مسودہ کی پُرجوش تائید کی اور عربوں کے مطالبات پر اس قدر تکلیف دہ اور تلخ انداز میں تنقید کی جس کی وجہ سے اقوامِ متحدہ کے حلقوں میں سخت ہلچل برپا ہو گئی۔ ذیل میں ہم سرکاری ریکارڈ کے حوالوں سے سیاسی کمیٹی کی بحثوں اور ان تمام تجاویز کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو اس کمیٹی کے سامنے رکھی گئیں:

عرب نمائندوں نے ایک یادداشت پیش کی جس میں تقسیم کی تجویز کو کلیتہً مسترد کر دیا، اور یہ مطالبہ کیا کہ فلسطین میں ایک آزاد جمہوری حکومت قائم کی جائے جس میں یہودی اقلیت کو اپنے حقوق کی پوری ضمانت حاصل ہو۔ اس یادداشت کے ساتھ اُنہوں نے ایک مفصل بیان بھی شامل کر دیا جو فلسطین پر عربوں کے حق کی تاریخی اور قانونی پہلوؤں سے منہ بولتی تصویر تھا۔ عراق کے نمائندے ڈاکٹر فاضل الجمالی اور لبنان کے نمائندے ڈاکٹر چارلس مالک نے بھی الگ الگ بیانات دیے جن میں حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا اور یہودیوں کے حامی وفود کا حقائق اور اعداد و شمار کی زبان میں جرأت مندانہ مقابلہ کیا۔

مگر رُوسی نمائندے نے پھر اُٹھ کر کہا:

"فلسطین پر یہودیوں کا قانونی حق ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس حق کے تحفظ کے لیے ہم ان کی مدد کریں، تاکہ اس علاقہ میں ان کے پاؤں جمیں اور وہ اپنی ریاست قائم کر سکیں۔ عربوں کو ہنگامے برپا کرنے اور تقریروں کا جوش دکھانے اور تاریخی دلائل کا سہارا لینے اور تنقید و تنقیص کے اسلوب اختیار کرنے سے باز آجانا چاہیے۔"

یوگوسلاویہ کے نمائندے نے کہا:

"ہم فلسطین کی تقسیم کی تجویز قبول کر لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ فلسطین یہودیوں اور عربوں دونوں کا وطن ہے۔ یہود اگر فلسطین کے اندر اشتراکی اور جمہوری نظامِ زندگی کو رواج دیں گے تو اس سے خود عربوں کو بھی استفادہ کا موقع ملے گا جو اس نظام کے شدید حاجتمند ہیں۔ عربوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کی قربانیوں کی قدر کریں اور بے سُود دشمنی سے دستبردار ہو جائیں۔"

برطانیہ کے نمائندے مسٹر الیگزنڈر کیڈوگن نے دخل دیتے ہوئے کہا:

"پُرامن حل وہ ہے جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں۔ عرب بھی اور یہودی بھی۔ نہ کہ صرف ایک ہی فریق۔ اقوامِ متحدہ کو قابلِ قبول حل تلاش کرنا چاہیے۔ حکومتِ برطانیہ آپ کو یقین دلاتی ہے کہ برطانیہ قرارداد تقسیم کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی امداد کے لیے اپنی عسکری طاقت ہرگز استعمال نہیں کرے گا۔"

رُوسی نمایندے تسارا پکین نے برطانوی نمائندے کی مخالفت کی اور کہا:

"برطانیہ کا رویّہ معاملات کو اُلجھا رہا ہے، اور اقوامِ متحدہ کی قرارداد کے نفاذ میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ اگر برطانیہ تقسیم کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں بے بس ہے تو ہم بہر حال قرارداد تقسیم کو عملی جامہ پہنانے میں قطعاً بے بس نہیں ہیں۔ ہم اسے رُوبکار لانے کے لیے پُوری طرح کمربستہ ہیں۔"

پولینڈ کے نمائندے نے بھی عربوں پر حملہ کیا اور پاکستان کے نمائندے کے بھی لتّے لیے۔ اس نے کہا:

"یہُودی اپنے ملک فلسطین میں اپنی ریاست کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اُن کا قانونی حق ہے۔ عرب آخر ان کی عداوت میں کیوں بہے جا رہے ہیں۔ اور پاکستان کو کیا آفت پڑی ہے کہ وہ یو این او کی تجویز کو ٹھکرا رہا ہے۔ عرب گوش ہوش سے سُن لیں کہ فلسطین تنہا اُن کی ملکیت نہیں ہے..... ہم عربوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کا راستہ اختیار کریں، اس کا حل فضا کو خوشگوار بنانے میں مدد دے گا۔ اور مشرق کو استعمار کے پنجے سے چھڑانے کے لیے عربوں اور یہودیوں کے درمیان مستحکم تعاون کی راہ ہموار کرے گا۔"[۱]

---

[۱] سیاسی کمیٹی کی کارروائی (۱۵ اکتوبر - ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء)

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کے اجلاس میں سیاسی جنگ عروج کو پہنچ گئی۔ قریب تھا کہ یہ جنگ قراردادِ تقسیم پر رائے شماری کو ملتوی کر دینے اور کوئی دوسرا متبادل حل تلاش کرنے کی تجویز پر ختم ہو جاتی، مگر اشتراکی بلاک کی ہٹ دھرمی اور تقسیم فلسطین پر اس کے شدید اصرار نے بنتی بات کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ آخر کار سوویت بلاک کی خواہش، کوشش اور اصرار کے بعد اقوامِ متحدہ نے قراردادِ تقسیم کو منظور کر لیا۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ قرارداد صرف ایک ووٹ کی اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ دنیا جانتی ہے کہ اقوامِ متحدہ سے تقسیمِ فلسطین کی تجویز منظور کرانے میں امریکہ کی سازشوں اور اس کے دباؤ نے کیا کردار ادا کیا۔ مگر اس بات پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ اس میں روس اور اس کے کمیونسٹ بلاک کا کیا حصہ تھا۔

اس منحوس قرارداد کے اعلان کے بعد اقوامِ متحدہ نے تقسیم کے کام کی نگرانی کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی۔ یہ کمیٹی ان پانچ ارکان پر مشتمل تھی: چیکوسلواکیہ، ڈنمارک، بولیویا، فلپائن اور پانامہ۔ جنرل اسمبلی نے سلامتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ تقسیم کی قرارداد کو نافذ کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے اور اگر اسے بین الاقوامی فوج کے استعمال کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ مگر پیشتر اس کے کہ مذکورۂ بالا بین الاقوامی کمیٹی فلسطین میں قدم رکھتی وہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھڑک اٹھے اور اس خوفناک حد تک پھیل گئے کہ بعض مغربی ممالک، جن میں امریکہ سرِ فہرست تھا، تقسیم کے بارے میں اپنے رویّے کو تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس مرحلے پر سلامتی کونسل میں جو کچھ ہوا اس کی روداد ملاحظہ ہو۔ (باقی)

اعلان

ترجمان القرآن کے حسبِ ذیل پرچوں کی دفتر کو ضرورت ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس برائے فروخت موجود ہوں تو دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ کو بھجوا دیں۔

مئی تا جولائی ۶۵ء	۳ پرچے
فروری و ستمبر، اکتوبر ۶۶ء	۳ پرچے

چراغ الدین منیجر